ڈاکٹر سعدیہ طاہر
چیئرپرسن شعبہ اُردو (خواتین)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

احمد ندیم قاسمی: تخلیقی عمل یا تخلیقی واردات

Dr. Sadia Tahir
Chairperson, Department of Urdu (Female)
Internation Islamic University, Islamabad.

Ahmed Nadeem Qasmee: Creative Process or Creative Experience

This essay is an attempt to understand and analyse poet Ahmad Nadeem Qasmi's concept of creative arts. The study is based on a variety of Nadim's poems written in different periods of his creative life. During the period of his active leadership of the Progressive Writers Movment in Pakistan, he followed the Marxist line of thinking but after the disintegration of the Progressive Writers Association in Pakistan, he slowly and gradually affirmed the part played by intution in creative process. This seems to me as a departure from the rigid marxist line of thinking, signifying superiority of intution over intellect.

احمد ندیم قاسمی نے اپنے فکری اور فنّی ارتقاء کے ہر مرحلے پر فن کی ماہیت ومقصود کو اپنی متعدد نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ ترقی پسند نظریۂ ادب سے اٹوٹ وابستگی کے زیرِ اثر اُنہوں نے بالعموم فنّی اور تخلیقی سرگرمی کو انقلابی مقصدیت کے تابع رکھنے کا التزام کیا ہے۔ اُن کے خیال میں ''یہ مسافت بھی تو فنکار کو طے کرنا ہے کہ کس کی محنت کا ثمر، جا کے ٹپکتا ہے کہاں؟''۔ چنانچہ اُنھوں نے ''فصل سے قصر تک اُلجھے ہوئے رشتوں کا سراغ'' لگانا بھی لازمۂ فن قرار دیا ہے۔[1] اِس اعتبار سے دیکھیں تو تخلیقی سرگرمی ایک سراسر شعوری اور سائنسی عمل ہے۔ ترقی پسند ادبی تحریک کا فکری وفنّی مسلک یہی ہے۔ ہر چند احمد ندیم قاسمی کی شعوری کوشش یہی رہی ہے کہ وہ اسی مسلک پر کاربند رہیں تاہم فنّی تخلیق کی کارگاہ میں پُراسرار مابعدالطبیعیاتی عوامل کی کارفرمائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اِس حقیقت کے ثبوت میں احمد ندیم قاسمی ہی کی ایک نظم بعنوان ''فکر'' دیکھئے:

راتوں کی بسیط خامشی میں
جب چاند کو نیند آ رہی ہو
پُھولوں سے لدی خمیدہ ڈالی
لوری کی فضا بنا رہی ہو

جب جھیل کے آئینے میں گُھل کر
تاروں کا خرام کھو گیا ہو
ہر پیڑ بنا ہُوا ہو تصویر
ہر پُھول سوال ہو گیا ہو
جب خاک سے رفعتِ سما تک
اُبھری ہوئی وقت کی شِکن ہو
جب میرے خیال سے خدا تک
صَدیوں کا سکُوت خیمہ زن ہو

اُس وقت مرے سلگتے دل پر
شبنم سی اُتارتا ہے کوئی
یزداں کے حریمِ بے نشاں سے
انساں کو پُکارتا ہے کوئی[۲]

آج سے نصف صدی پہلے جب یہ نظم پہلے پہل شائع ہوئی تھی اُس وقت اِس کا آخری شعر یوں تھا:

یزداں کی بلندیوں سے جیسے
انساں کو پُکارتا ہے کوئی

چند برس بعد احمد ندیم قاسمی نے ''یزداں کی بلندیوں سے'' کی بجائے ''یزداں کے حریمِ بے نشاں سے'' اللہ میاں کی پُکار سُنی۔ یہ فقط لفظی ہیر پھیر کا شاخسانہ ہرگز نہیں۔ یہ یزداں اور انسان ہر دو کے بارے میں اُن نئے تصوّرات کی کارفرمائی ہے جو ہماری قدیم صوفیانہ شاعری کے بنیادی تصورات ہیں۔ یزداں کی اپنے حریمِ بے نشاں سے انسان کو پُکار پہ مجھے اقبال یاد آتے ہیں: ''خدا اندر تلاشِ آدم ہست''۔ خود خُدا انسان کے فراق میں مبتلا ہے مگر انسان ہے کہاں؟ یاد کیجئے جلال الدین رومی: ''کز دام ودَد ملولم و انسانم آرزوست!''۔ اب میں اس نظم کے تیس برس بعد اسی موضوع پر وجود میں آنے والی ایک اور نظم پیش کرنے کی اجازت چاہتی ہوں۔ نظم کا عنوان ہے: ''کُن کے قریب کا ایک لمحہ'':

ہر سمت خلائے بیکراں ہے
تا حدِّ نظر دُھواں دُھواں ہے
ظلمات کا ایک دائرہ ہے
جو مثلِ سکُوت گُونجتا ہے
جھگڑا ہی نہیں ہے کفر و دیں کا
''ہے'' پر بھی گمان ہے ''نہیں'' کا
کچھ ہے تو وہی ہے جو نہیں ہے
اور وہ جو نہیں ہے ، ہر کہیں ہے

ناگاہ سکوت ٹوٹتا ہے
ظلمات سے نُور پھُوٹتا ہے

ہیجان سا آ گیا فضا میں
طُوفاں سا اُمڈ پڑا خلا میں
معلوم نہیں اُٹھے کہاں سے
شعلے ہیں تمام بے اماں سے
اُٹھے تو جُھکے نہیں ابھی تک
لپکے تو رُکے نہیں ابھی تک
یہ گردشِ مُو قلم عجب ہے
بیتابیِ پیچ و خم عجب ہے

خوابوں میں خیال تل رہے ہیں
تخلیق کے باب کُھل رہے ہیں[۳]

میں جب بھی یہ نظم پڑھتی ہوں مجھے اقبال کی شہرۂ آفاق تصنیف "Reconstruction" میں پیش کیے گئے خُدا اور انسان کے متعلق تصوّرات یاد آتے ہیں۔اقبال کے خیال میں انسان کائنات میں اپنے خالقِ اکبر کی صفتِ تخلیق کا سب سے بڑا وارث ہے۔اقبال نے انسان کو Co worker with God قرار دیا ہے۔[۴] اِس نظم میں بھی خُدا انسان سے دُور، بہت دُور کہیں بُلندیوں پر نہیں ہے بلکہ ہمارے گردو پیش ہر کہیں موجود ہے اور انسان اُس سے ہمکاری میں مصروف ہے۔چنانچہ خوابوں میں خیال تُل رہے ہیں اور تخلیق کے نِت نئے باب کُھل رہے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی کے فن اور تخلیقِ فن سے متعلق یہ تصوّرات سکّہ بند ترقی پسند نظریۂ ادب سے متصادم ہیں۔ یہ تصورات تخلیقی عمل سے نہیں پھوٹے بلکہ تخلیقی واردات کا عکس ہیں۔ ان پر غور کرتے وقت ہمیں غالب کا یہ مصرع بُھلائے نہیں بُھولتا: ''آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں'' اور یوں ہم تخلیقی واردات کی تفہیم میں غالب سے ہوتی ہوئی اقبال کے ہاں: ''آیا کہاں سے نالۂ نَے میں سرورِ مَے؟'' کا سوال اُٹھاتی ہوئی ہماری اپنی شعری روایت بیساختہ یاد آتی ہے اور ہمیں احساس دلاتی ہے کہ ہم بظاہر بہت کچھ جانتے ہوئے بھی شاید کچھ نہیں جانتے!

حواشی

۱۔ بحوالہ طویل نظم بعنوان ''یہاں سے وہاں تک'' .....ندیم کی نظمیں، سنگِ میل لاہور، ۲۰۰۶ء صفحہ ۶۰۹۔۶۱۰۔نظم کے آخری تین بند پیشِ خدمت ہیں:

یہ حقیقت بھی تو ہے حُسن کی مانند عظیم
ہل کی ہتّھی پہ اُتر آئے ہیں ہاتھوں کے نشاں

نظر افروز ہے پکتے ہُوئے کھیتوں کا شباب
اور دل دوز ہے لُٹتی ہُوئی فصلوں کا سماں
یہ مسافت بھی تو فن کار کو طے کرنا ہے
کِس کی محنت کا ثمر، جا کے ٹپکتا ہے کہاں

یہ مسافت ..... یہ حقیقت کا بتدریج ادراک
شعر کا حُسن بھی ہے، حُسن کا عرفان بھی ہے
فصل سے قصر تک اُلجھے ہُوئے رشتوں کا سراغ
فن کی پہچان بھی ہے، فن کا نگہبان بھی ہے
ایک پہلو میں بھی رکھتی ہے ہزاروں پہلو
میری دُنیا کہ جو گُل پوش بھی ، ویران بھی ہے
سخت مشکل ہے کہ فن کار کہستاں کاٹے
اِک ذرا درد میّسر ہو تو آسان بھی ہے
گُل کو دیکھوں تو نہ بُھولے مجھے گُلکار کا حُسن
یہ لطافت مرا مقصد بھی ہے ، ایمان بھی ہے
مثلِ خورشید ہُوئی ہے اُفقِ فن پہ طلُوع
یہ حقیقت کہ جو شاعر ہے وہ انسان بھی ہے

(فروری ۱۹۵۴ء)

۲۔ ایضاً، صفحات ۶۱۱۔۶۱۲۔

۳۔ ایضاً، صفحات ۳۶۔۳۷۔

۴۔ اسلامی فکر کی نئی تشکیل کے موضوع پر اپنے فلسفیانہ خطبات بعنوان: "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" میں اقبال نے خالقِ اکبر کے ساتھ انسان کی اس رفاقت کا متعدد بار ذکر کیا ہے۔ مثلاً دوسرے خطبے کی درج ذیل سطور:

"Man, therefore, in whom egohood has reached its relative perfection, occupies a genuine place in the heart of Divine creative energy, and thus possesses a much higher degree of reality than things around him. Of all the creations of God he alone is capable of consciously participating in the creative life of his Maker. Endowed with the power to imagine a better world, and to mould what is into what ought to be, the ego in him aspires, in the interests of an increasingly unique and comprehensive individuality, to exploit all the various environments on which he may be called upon to operate during the course of an endless career." (The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore, 1996, page 58)